

قرآن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ (سوم)

<?xml encoding="UTF-8?">

ایک روایت میں رسول خدا سے منقول ہے:

”اہل جنت میں افضل ترین اور برترین عورتیں چارہیں۔ خویلد کی بیٹی خدیجہ (ع)، محمد کی بیٹی فاطمہ (ع) اور عمران کی بیٹی مریم (ع) اور مزاحم کی بیٹی آسیہ (ع) جو فرعون کی بیوی تھی۔“

قابل توجہ بات یہ ہے کہ فرعون کی بیوی اپنی اس بات سے فرعون کے عظیم قصر کی تحقیر کر رہی ہے، اور اسے خدا کے جوار رحمت میں گھر، کے مقابلہ میں کوئی اہمیت نہیں دیتی۔ اس گفتگو کے ذریعہ ان لوگوں کے جو اسے یہ نصیحت کرتے تھے کہ ان تمام نمایاں وسائل و امکانات کو جو ملکہ مصر ہونے کی وجہ سے تیرے قبضہ و اختیار میں ہیں، موسیٰ علیہ السلام جیسے چرواہے پر ایمان لاکر ہاتھ سے نہ دے۔ جواب دیتی ہے:

اور ”نجی من فرعون و عملہ“ کے جملہ کے ساتھ خود فرعون سے اور اس کے مظالم اور جرائم سے بیزاری کا اعلان کرتی ہے۔

اور ”نجی من القوم الظالمین“ کے جملہ سے اس آلودہ ماحول سے اپنی علیحدگی، اور ان کے جرائم سے اپنی بیگانگی کا اظہار کرتی ہے۔

مسلمہ طور پر فرعون کے دربار سے بڑھ کر زرق برق اور جلال و جبروت موجود نہیں تھا۔ اسی طرح فرعون جیسے جابر و ظالم کے شکنجے سے بڑھ کر فشار اور شکنجے موجود نہیں تھے۔ لیکن نہ تو وہ زرق برق اور نہ ہی وہ فشار اور شکنجے اس مومنہ عورت کے گھٹنے جھکا سکے۔ اس نے رضائے خدا میں اپنا سفر اسی طرح سے جاری رکھا۔ یہاں تک کہ اپنی عزیز جان اپنے حقیقی محبوب کی راہ میں فدا کردی۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ وہ یہ استدعا کرتی ہے کہ اے خدا جنت میں اور اپنے جوار میں اس کے لئے ایک گھر بنادے جس کا جنت میں ہونا تو جنبہ جسمانی ہے اور خدا کے جوار رحمت میں ہونا جنبہ روحانی ہے۔ اس نے ان دونوں کو ایک مختصر سی عبارت میں جمع کر دیا ہے۔

جناب موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا حکم

ایک طرف موسیٰ علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں کے درمیان باہمی نزاع، اور دوسری طرف فرعون اور اس کے ہم نواؤں کے ساتھ لڑائی جھگڑا کافی حد تک بڑھ گیا اور اس دوران میں بہت سے واقعات رونما ہو چکے، جنہیں قرآن نے اس مقام پر ذکر نہیں کیا بلکہ ایک خاص مقصد کو جسے ہم بعد میں بیان کریں گے پیش نظر رکھ کر ایک نکتہ بیان کیا گیا ہے کہ حالات بہت خراب ہو گئے تو فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی انقلابی تحریک کو دبانے بلکہ ختم کرنے کے لئے ان کے قتل کی ٹھان لی لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اس کے مشیروں اور درباریوں نے اس کے اس فیصلے کی مخالفت کی۔ چنانچہ قرآن کہتا ہے:

”فرعون نے کہا مجھے چھوڑ دو تاکہ میں موسیٰ کو قتل کر ڈالوں اور وہ اپنے پروردگار کو بلائے تاکہ وہ اسے اس سے نجات دے۔“ [1]

اس سے یہ بات سمجھنے میں مدد ملتی ہے کہ اس کے اکثر یا کم از کم کچھ مشیر موسیٰ علیہ السلام کے قتل کے مخالف تھے وہ یہ دلیل پیش کرتے تھے کہ چونکہ موسیٰ کے کام معجزانہ اور غیر معمولی ہیں لہذا ہوسکتا ہے کہ وہ ہمارے لئے بددعا کر دے تو اس کا خدا ہم پر عذاب نازل کر دے لیکن کبر و غرور کے نشے میں مست فرعون کہنے لگا: میں تو اسے ضرور قتل کروں گا جو ہوگا دیکھا جائے گا۔

یہ بات تو معلوم نہیں ہے کہ فرعون کے حاشیہ نشینوں اور مشیروں نے کس بناء پر اسے موسیٰ علیہ السلام کے قتل سے باز رکھا البتہ یہاں پر چند ایک احتمال ضرور ہیں اور ہوسکتا ہے وہ سب کے سب صحیح ہوں - ایک احتمال تو یہ ہے کہ ممکن ہے خدا کی طرف سے عذاب نازل ہو جائے۔

دوسرا احتمال ان کی نظر میں یہ ہوسکتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے مارے جانے کے بعد حالات یکسر دگر گوں ہو جائیں گے کیونکہ وہ ایک شہید کا مقام پالیں گے اور انہیں ہیرو کا درجہ مل جائے گا اس طرح سے ان کا دین بہت سے مؤمن، ہمنوا، طرفدار اور ہمدرد پیدا کر لے گا۔

خلاصہ کلام انہیں اس بات کا یقین ہو گیا کہ بذات خود موسیٰ ان کے لئے ایک عظیم خطرہ ہیں لیکن اگر ان حالات میں انہیں قتل کر دیا جائے تو یہ حادثہ ایک تحریک میں بدل جائے گا جس پر کنٹرول کرنا بھی مشکل ہو جائے گا اور اس سے جان چھڑانی مشکل تر ہو جائے گی۔

فرعون کے کچھ درباری ایسے بھی تھے جو قلبی طور پر فرعون سے راضی نہیں تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام زندہ رہیں اور فرعون کی تمام تر توجہ انہی کی طرف مبذول رہے، اس طرح سے وہ چار دن آرام کے ساتھ بسر کر لیں اور فرعون کی آنکھوں سے اوجھل رہ کر ناجائز مفاد اٹھاتے رہیں کیونکہ یہ ایک پرانا طریقہ کار ہے کہ بادشاہوں کے درباری اس بات کی فکر میں رہتے ہیں کہ ہمیشہ ان کی توجہ دوسرے امور کی طرف مبذول رہے تا کہ وہ آسودہ خاطر ہو کر اپنے ناجائز مفادات کی تکمیل میں لگے رہیں۔ اسی لئے تو بعض اوقات وہ بیرونی دشمن کو بھی بھڑکاتے ہیں تاکہ بادشاہ کی فارغ البالی کے شر سے محفوظ رہیں۔

کہیں موسیٰ تمہارا مذہب نہ بدل دے

بہر حال فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کے منصوبے کی توجیہ کرتے ہوئے اپنے درباریوں کے سامنے اس کی دودلیلیں بیان کیں۔ ایک کا تعلق دینی اور روحانی پہلو سے تھا اور دوسری کا دنیاوی اور مادی سے، وہ کہنے لگا: مجھے اس بات کا خوف ہے کہ وہ تمہارے دین کو تبدیل کر دے گا اور تمہارے باپ دادا کے دین کو دگر گوں کر دے گا، یا یہ کہ زمین میں فساد اور خرابی برپا کر دے گا۔ [2]

اگر میں خاموشی اختیار کر لوں تو موسیٰ بہت جلد مصر والوں میں اتر جائے گا اور بت پرستی کا ”مقدس دین“ جو تمہاری قومیت اور مفادات کا محافظ ہے ختم ہو جائے گا اور اس کی جگہ توحید پرستی کا دین لے لے گا جو یقیناً تمہارے سوافیصد خلاف ہوگا۔

اگر میں آج خاموشی ہو جاؤں اور کچھ عرصہ بعد موسیٰ سے مقابلہ کرنے کے لئے اقدام کروں تو اس دوران میں وہ اپنے بہت سے دوست اور ہمدرد پیدا کر لے گا جس کی وجہ سے زبردست لڑائی چھڑ جائے گی جو ملکی سطح پر

خونریزی، گڑ بڑ اور بے چینی کا سبب بن جائے گی اسی لئے مصلحت اسی میں ہے کہ جتنا جلدی ہوسکے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے ۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس گفتگو سے موسیٰ علیہ السلام نے کس رد عمل کا اظہار کیا جو اس مجلس میں تشریف فرما بھی تھے، قرآن کہتا ہے :موسیٰ نے کہا : ”میں اپنے پروردگار اور تمہارے پروردگار کی ہر اس متکبر سے پناہ مانگتا ہوں جو روز حساب پر ایمان نہیں لاتا ۔“[3]

موسیٰ علیہ السلام نے یہ باتیں بڑے سکون قلب اور اطمینان خاطر سے کیں جو ان کے قوی ایمان اور ذات کردگار پر کامل بھروسے کی دلیل ہیں اور اس طرح سے ثابت کردیا کہ اس کی اس دھمکی سے وہ ذرہ بھر بھی نہیں گھبرائے ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس گفتگو سے ثابت ہوتا ہے کہ جن لوگوں میں مندرجہ ذیل دو صفات پائی جائیں وہ نہایت ہی خطر ناک افراد ہیں ایک ” تکبر “ اور دوسرے ” قیامت پر ایمان نہ رکھنا “ اور اس قسم کے افراد سے خدا کی پناہ مانگنی چاہئے ۔

آیا کسی کو خدا کی طرف بلانے پر بھی قتل کرتے ہیں ؟

یہاں سے موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی تاریخ کا ایک اور اہم کردار شروع ہوتا ہے اور وہ ہے ”مؤمن آل فرعون “ جو فرعون کے رشتہ داروں میں سے تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت توحید قبول کرچکا تھا، لیکن اپنے اس ایمان کو ظاہر نہیں کرتا تھا کیونکہ وہ اپنے آپ کو خاص طریقے سے موسیٰ علیہ السلام کی حمایت کا پابند سمجھتا تھا جب اس نے دیکھا کہ فرعون کے غیظ و غضب سے موسیٰ علیہ السلام کی جان کو خطرہ پیدا ہوگیا ہے تو مردانہ وار آگے بڑھا اور اپنی دل نشین اور موثر گفتگو سے قتل کی اس سازش کو ناکام بنادیا ۔

قرآن میں فرمایا گیا ہے : ” آل فرعون میں سے ایک شخص نے جو اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا کہا:

”کیا کسی شخص کو صرف اس بناء پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے ؟“[4]

”حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے معجزات اور واضح دلائل اپنے ساتھ لایا ہے ۔“[5]

آیا تم اس کے عصا اور ید بیضاء جیسے معجزات کا انکار کرسکتے ہو ؟ کیا تم نے اپنی آنکھوں سے اس کے جادو گروں پر غالب آجانے کا مشاہدہ نہیں کیا ؟ یہاں تک کہ جادوگروں نے اس کے سامنے اپنے ہتھیار ڈال دیئے اور ہماری پرواہ تک نہ کی اور نہ ہی ہماری دھمکیوں کو خاطر میں لائے اور موسیٰ کے خدا پر ایمان لاکر اپنا سراس کے آگے جھکادیا، ذرا سچ بتاؤ ایسے شخص کو جادوگر کہا جاسکتا ہے،؟ خوب سوچ سمجھ کر فیصلہ کرو، جلد بازی سے کام نہ لو اور اپنے اس کام کے انجام کو بھی اچھی طرح سوچ لو تاکہ بعد میں پشیمان نہ ہونا پڑے ۔

ان سب سے قطع نظر یہ دو حال سے خالی نہیں ” اگر وہ جھوٹا ہے تو جھوٹ اس کا خود ہی دامن گیر ہوگا اور اگر سچا ہے تو کم از کم جس عذاب سے تمہیں ڈرایا گیا ہے وہ کچھ نہ کچھ تو تمہارے پاس پہنچ ہی جائے گا۔“[6]

یعنی اگر وہ جھوٹا ہے جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے ، آخر کار ایک نہ ایک دن اس کا پول کھل جائے گا اور وہ اپنے جھوٹ کی سزا پالے گا لیکن یہ امکان بھی تو ہے کہ شاید وہ سچا ہو اور خدا کی جانب سے بھیجا گیا ہو تو پھر ایسی صورت میں اس کے کئے ہوئے وعدے کسی نہ کسی صورت میں وقوع پذیر ہوکر رہیں گے لہذا اس کا قتل کرنا عقل و خرد سے کو سوں دور ہے ۔

اس سے یہ نتیجہ نکلا، ”اللہ تعالیٰ مسرف اور جھوٹے کی ہدایت نہیں فرماتا۔“ [7]
اگر حضرت موسیٰ تجاوزو اسراف و دروغ کو اختیار کرتے تو یقیناً اللہ تعالیٰ کی ہدایت حاصل نہ کرتے اور اگر تم بھی ایسے ہی ہو گئے تو اس کی ہدایت سے محروم ہو جاؤ گے۔

مومن آل فرعون نے اس پر ہی اکتفاء نہیں کی بلکہ اپنی گفتگو کو جاری رکھا، دوستی اور خیر خواہی کے انداز میں ان سے یوں گویا ہوا : اے میری قوم ! آج مصر کی طویل و عریض سرزمین پر تمہاری حکومت ہے اور تم ہر لحاظ سے غالب اور کامیاب ہو، اس قدر بے انداز نعمتوں کا کفران نہ کرو، اگر خدائی عذاب ہم تک پہنچ گیا تو پھر ہماری کون مدد کرے گا۔“ [8]

ظاہر اُس کی یہ باتیں ”فرعون کے ساتھیوں“ کے لئے غیر موثر ثابت نہیں ہوئیں انہیں نرم بھی بنا دیا اور ان کے غصے کو بھی ٹھنڈا کر دیا۔

لیکن یہاں پر فرعون نے خاموشی مناسب نہ سمجھی اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا: بات وہی ہے جو میں نے کہہ دی ہے۔ ”جس چیز کا میں معتقد ہوں اسی کا تمہیں بھی حکم دیتا ہوں میں اس بات کا معتقد ہوں کہ ہر حالت میں موسیٰ کو قتل کر دینا چاہئے اس کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں ہے اور میں تو صرف تمہیں صحیح راستہ کی طرف راہنمائی کرتا ہوں۔“ [9]

میں تمہیں خبردار کرتا ہوں

اس دور میں مصر کے لوگ ایک حد تک متمدن اور پڑھے لکھے تھے انہوں نے قوم نوح، عاد اور ثمود جیسی گزشتہ اقوام کے بارے میں مؤرخین کی باتیں بھی سن رکھی تھیں اتفاق سے ان اقوام کے علاقوں کا اس علاقے سے زیادہ فاصلہ بھی نہیں تھا یہ لوگ ان کے دردناک انجام سے بھی کم وبیش واقفیت رکھتے تھے۔
لہذا مؤمن آل فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے قتل کے منصوبے کی مخالفت کی اس نے دیکھا کہ فرعون کو زبردست اصرار ہے کہ وہ موسیٰ کے قتل سے باز نہیں آئے گا، اس مرد مؤمن نے پھر بھی ہمت نہ ہاری اور نہ ہی ہارنی چاہئے تھی لہذا اب کہ اس نے یہ تدبیر سوچی کہ اس سرکش قوم کو گزشتہ اقوام کی تاریخ اور انجام کی طرف متوجہ کرے شاید اس طرح سے یہ لوگ بیدار ہوں اور اپنے فیصلے پر نظر ثانی کریں قرآن کے مطابق اس نے اپنی بات یوں شروع کی اس باایمان شخص نے کہا: ”اے میری قوم، مجھے تمہارے بارے میں گزشتہ اقوام کے عذاب کے دن کی طرح کا خوف ہے۔“ [10]

پھر اس بات کی تشریح کرتے ہوئے کہا: ”میں قوم نوح(ع)، عاد، ثمود اور ان کے بعد آنے والوں کی سی بری عادت سے ڈرتا ہوں۔“ [11]

ان قوموں کی عادت شرک، کفر اور طغیان و سرکشی تھی اور ہم دیکھ چکے ہیں کہ ان کا کیا انجام ہوا؟ کچھ تو تباہ کن طوفانوں کی نذر ہو گئیں، کچھ وحشت ناک جھگڑوں کی وجہ سے برباد ہوئیں، کچھ کو آسمانی بجلی نے جلا کر راکھ کر دیا اور کچھ زلزلوں کی بھینٹ چڑھ کر صفحہ ہستی سے مٹ گئیں۔ کیا تم یہ نہیں سمجھتے کہ کفراور طغیان پر اصرار کی وجہ سے تم بھی مذکورہ عظیم بلاؤں میں سے کسی ایک کا شکار ہو سکتے ہو؟ لہذا مجھے کہنے دو کہ مجھے تمہارے بارے میں بھی اس قسم کے خطرناک مستقبل کا اندیشہ ہے۔

آیا تمہارے پاس اس بات کا کوئی ثبوت ہے کہ تمہارے کردار اور افعال ان سے مختلف ہیں؟ آخر ان لوگوں کا کیا

قصور تھا کہ وہ اس طرح کے بھیانک مستقبل سے دوچار ہوئے کیا اس کے سوا کچھ اور تھا کہ انہوں نے خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کی دعوت کے خلاف قیام کیا، ان کی تکذیب کی بلکہ انہیں قتل کر ڈالا۔ لیکن یاد رکھو جو مصیبت بھی تم پر نازل ہوگی خود تمہارے کئے کی سزا ہوگی کیونکہ ”خدا اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرنا چاہتا۔“ [12] پھر کہتا ہے : اے میری قوم! میں تمہاریے لئے اس دن سے ڈرتا ہوں جس دن لوگ ایک دوسرے کو پکاریں گے لیکن کوئی مدد نہیں کرے گا۔“ [13]

ان بیانات کے ذریعے مومن آل فرعون نے جو کچھ کرنا تھا کردکھایا اس نے فرعون کو جناب موسیٰ کے قتل کی تجویز بلکہ فیصلے کے بارے میں ڈانواڈول کر دیا یا کم از کم اسے ملتوی کروادیا اسی التواء سے قتل کا خطرہ ٹل گیا اور یہ تھا اس ہوشیار، زیرک اور شجاع مرد خدا کا فریضہ جو اس نے کماحقہ ادا کر دیا جیسا کہ بعد کی گفتگو سے معلوم ہوگا کہ اس سے اس کی جان کے بھی خطرے میں پڑنے کا اندیشہ ہو گیا تھا ۔

آخری بات

پانچویں اور آخری مرحلے پر مومن آل فرعون نے تمام حجاب الٹ دیئے اور اس سے زیادہ اپنے ایمان کو نہ چھپاسکا ، وہ جو کچھ کہنا چاہتا تھا کہہ چکا اور فرعون والونے بھی ، جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا، اس کے بارے میں بڑا خطرناک فیصلہ کیا ۔ خداوند عالم نے بھی اپنے اس مومن اور مجاہد بندے کو تنہا نہیں چھوڑا جیسا کہ قرآن نے بیان کیا ہے : ”خدا نے بھی اسے ان کی ناپاک چالوں اور سازشوں سے بچالیا ۔“ [14] اس کی تعبیر سے واضح ہوتا ہے کہ فرعونوں نے اس کے بارے میں مختلف سازشیں اور منصوبے تیار کر رکھے تھے ۔

لیکن وہ منصوبے کیا تھے ؟ قرآن نے اس کی تفصیل بیان نہیں کی، ظاہر ہے کہ مختلف قسم کی سزائیں اذیتیں اور آخرکار قتل اور سزائے موت ہوسکتی ہے لیکن خداوندعالم کے لطف وکرم نے ان سب کو ناکام بنادیا ۔ چنانچہ بعض تفسیروں میں ہے کہ وہ ایک مناسب موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام تک پہنچ گیا اور اس نے بنی اسرائیل کے ہمراہ دریائے نیل کو عبور کیا، نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب اس کے قتل کا منصوبہ بن چکا تو اس نے اپنے آپ کو ایک پہاڑ میں چھپالیا اور نگاہوں سے اوجھل ہو گیا ۔ یہ دونوں روایات آپس میں مختلف نہیں ہیں کیونکہ ممکن ہے کہ پہلے وہ شہر سے مخفی ہو گیا ہو اور پھر بنی اسرائیل سے جا ملا ہو ۔

موسیٰ کے خدا کی خبرلاتا ہوں

اگرچہ مومن آل فرعون کی باتوں نے فرعون کے دل پر اس قدر اثر کیا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے قتل سے تو باز آگیا لیکن پھر بھی غرور کی چوٹی سے نیچے نہ اترا اور اپنی شیطنیت سے بھی باز نہ آیا اور نہ ہی حق بات قبول کرنے پر آمادہ ہوا کیونکہ فرعون کے پاس اس بات کی نہ تو صلاحیت تھی اور نہ ہی لیاقت لہذا اپنے شیطنیت آمیز اعمال کو جاری رکھتے ہوئے اس نے ایک نئے کام کی تجویز پیش کی اور وہ ہے آسمانوں پر چڑھنے کے لئے ایک

بلندو بالابرج کی تعمیر تاکہ اس پر چڑھ کر موسیٰ کے خدا کی خبر لے آئے ۔

فرعون نے کہا: اے ہامان : میرے لئے ایک بلند عمارت تیار کرو تاکہ میں اسباب و ذرائع تک پہنچ سکوں ایسے اسباب و ذرائع جو مجھے آسمانوں تک لے جاسکیں تاکہ میں موسیٰ کے خدا سے باخبر ہوسکوں ہر چند کہ میں گمان کرتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے ۔

جی ہاں اس قسم کے برے اعمال فرعون کی نظر میں مزین کر دیئے گئے تھے اور انہوں نے اسے راہ حق سے روک دیا تھا ، لیکن فرعون کی سازش اور چالوں کا انجام نقصان اور تباہی کے سوا کچھ نہیں ۔ [15]

سب سے پہلی چیز جو یہاں پر نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ آخر اس کام سے فرعون کا مقصد کیا تھا؟ آیا وہ واقعاً اس حد تک احمق تھا کہ گمان کرنے لگا کہ موسیٰ کا خدا آسمان میں ہے ؟ بالفرض اگر آسمان میں ہو بھی تو آسمان سے باتیں کرنے والے پہاڑوں کے ہوتے ہوئے اس عمارت کے بنانے کی کیا ضرورت تھی جو پہاڑوں کی اونچائی کے سامنے بالکل ناچیز تھی؟ اور کیا اس طرح سے وہ آسمان تک پہنچ بھی سکتا تھا؟

یہ بات تو بہت ہی بعید معلوم ہوتی ہے کیونکہ فرعون مغرور اور متکبر ہونے کے باوجود سمجھ دار اور سیاستداں شخص تو ضرور تھا جس کی وجہ سے اس نے ایک عظیم ملت کو اپنی زنجیروں میں جکڑا تھا اور بڑے زور دار طریقے سے اس پر حکومت کرتا رہا لہذا اس قسم کے افراد کی ہر بات اور ہر حرکت شیطانی حرکات و سکنات کی آئینہ دار ہوتی ہیں لہذا سب سے پہلے اس کے اس شیطانی منصوبے کا تجزیہ و تحلیل کرنا چاہئے کہ آخر ایسی عمارت کی تعمیر کا مقصد کیا تھا؟

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرعون نے ان چند مقاصد کے پیش نظر ایسا اقدام کیا :

۱۔ وہ چاہتا تھا کہ لوگوں کی فکر کو مصروف رکھے موسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور بنی اسرائیل کے قیام کے مسئلہ سے ان کی توجہ ہٹانے کے لئے اس نے یہ منصوبہ تیار کیا، بعض مفسرین کے بقول یہ عمارت ایک نہایت ہی وسیع و عریض زمین میں کھڑی کی گئی جس پر پچاس ہزار مزدور کام کرنے لگے اس تعمیری منصوبے نے دوسرے تمام مسائل کو بھلادیا جوں جوں عمارت بلند ہوتی جاتی تھی تو توں لوگوں کی توجہ اس کی طرف زیادہ مبذول ہوتی تھی ہر جگہ اور ہر محفل میں نئی خبر کے عنوان سے اس کے چرچے تھے اس نے وقتی طور پر جادو گروں پر موسیٰ علیہ السلام کی کامیابی کو جو کہ فرعون اور فرعونییوں کے پیکر پر ایک کاری ضرب تھی لوگوں کے ذہنوں سے فراموش کر دیا ۔

۲۔ وہ چاہتا تھا کہ اس طرح سے زحمت کش اور مزور طبقے کی جزوی مادی اور اقتصادی امداد کرے اور عارضی طور پر ہی سہی بیکار لوگوں کے لئے کام مہیا کرے تاکہ تھوڑا سا اس کے مظالم کو فراموش کردیں اور اس کے خزانے کی لوگوں کو زیادہ سے زیادہ احتیاج محسوس ہو ۔

۳۔ پروگرام یہ تھا کہ جب عمارت پایہ تکمیل کو پہنچ جائے، تو وہ اس پر چڑھ کر آسمان کی طرف نگاہ کرے اور شاید چلہ کمان میں رکھ کر تیر چلائے اور وہ واپس لوٹ آئے تو لوگوں کو احمق بنانے کے لئے کہے کہ موسیٰ کا خدا جو کچھ بھی تھا آج اس کا خاتمہ ہو گیا ہے اب ہر شخص بالکل مطمئن ہو کر اپنے اپنے کام میں مصروف ہو جائے ۔

وگرنہ فرعون کے لئے تو صاف ظاہر تھا کہ اس کی عمارت جتنی بھی بلند ہو چند سو میڑسے زیادہ تو اونچی نہیں جاسکتی تھی جبکہ آسمان اس سے کئی گنا بلند اور اونچے تھے، پھر یہ کہ اگر بلند ترین مقام پر بھی کھڑے ہو کر آسمان کی طرف دیکھا جائے تو اس کا منظر بغیر کسی کمی بیشی کے ویسے ہی نظر آتا ہے جیسے سطح زمین سے ۔

یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ فرعون نے یہ بات کر کے درحقیقت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے سے ایک قسم کی پسپائی اختیار کی جبکہ اس نے کہا کہ میں موسیٰ کے خدا کے بارے میں تحقیق کرنا چاہتا ہوں ” فاطلع الی الہ موسیٰ “ اور ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ ” ہر چند کہ میں اسے جھوٹا گمان کرتا ہوں “ اس طرح سے وہ یقین کی منزل سے ہٹ کر شک اور گمان کے مرحلے تک نیچے آجاتا ہے ۔

اس مسئلے میں مفسرین کے ایک گروہ نے (مثلاً فخر رازی اور آلوسی نے) یہ سوال بھی اٹھایا ہے کہ آیا : فرعون نے اپنا مجوزہ بلند مینار تعمیر کرایا تھا یا نہیں؟

ان مفسرین کا ذہن اس طرف اس لئے منتقل ہوا کہ مینار کی تعمیر کا کام کسی طرح بھی عاقلانہ نہ تھا کیا اس عہد کے لوگ کبھی بلند پہاڑوں پر نہیں چڑھے تھے ؟ اور انہوں نے آسمان کے منظر کو ویسا ہی نہیں دیکھا تھا جیسا کہ وہ زمین سے نظر آتا ہے ؟ کیا انسان کا بنایا ہوا مینار پہاڑ سے زیادہ اونچا ہوسکتا ہے ؟ کیا کوئی احمق بھی یہ یقین کرسکتا ہے کہ ایسے مینار پر چڑھ کر آسمان کو چھوا جاسکتا ہے ؟

لیکن وہ مفسرین جنہوں نے یہ اشکالات پیدا کئے ہیں ان کی توجہ ان نکات کی طرف نہیں گئی کہ اول تو ملک مصر کو ہستانی نہیں دوم یہ کہ انہوں نے اس عہد کے لوگوں کی سادہ لوحی کو فراموش کردیا کہ ان سیدھے سادھے لوگوں کو ایسے ہی مسائل سے غافل کیا جاسکتا تھا یہاں تک کہ خود ہمارے زمانے جسے عصر علم ودانش کہا جاتا ہے، لوگوں کی توجہ اصل مسائل سے ہٹانے کے لئے کیسے کیسے مکرو فریب اور حیلہ سازیاں کی جاتی ہیں ۔

پچاس ہزار معمار برج بناتے ہیں

بہر کیف ۔ بعض تواریخ کے بیان کے مطابق، ہامان نے حکم دیا کہ ایسا محل اور برج بنانے کے لئے زمین کا ایک وسیع قطعہ انتخاب کریں اور اس کی تعمیر کے لئے پچاس ہزار معمار اور مزدور روانہ کردے اور اس عمارت کے واسطے مٹیریل فراہم کرنے کے لئے ہزاروں آدمی مقرر کئے گئے اس نے خزانہ کا منہ کھول دیا اور اس مقصد کے لئے کثیر رقم خرچ کی یہاں تک کہ تمام ملک مصر میں اس عظیم برج کی تعمیر کی شہرت ہوگئی ۔

یہ عمارت جس قدر بھی بلند سے بلندتر، ہوتی جاتی تھی لوگ اتنے ہی زیادہ اسے دیکھنے آتے تھے اور منتظر تھے کہ دیکھئے فرعون یہ عمارت بنا کر کیا کرتا ہے ؟

یہ عمارت اتنی بلند ہوگئی کہ اس سے دور دور تک اطراف وجوانب کا میدان نظر آنے لگا بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ معماروں نے اس کی مارپیچ سیڑھیاں ایسی بنائی تھیں کہ آدمی گھوڑے پر سوار ہوکر اس پر چڑھ سکتا تھا ۔

میں نے موسیٰ علیہ السلام کے خدا کو مارا ڈالا

جب وہ عمارت پایہء تکمیل کو پہنچ گئی اور اسے مزید بلند کرنے کا کوئی امکان نہ رہا تو ایک روز فرعون پوری شان وشوکت سے وہاں آیا اور بذات خود برج پر چڑھ گیا جب وہ برج کی چوٹی پر پہنچا اور آسمان کی طرف نظر

اٹھائی تو اسے آسمان ویسا ہی نظر آیا جیسا کہ وہ زمین سے دیکھا کرتا تھا اس منظر میں ذرا بھی تغیر تبدیلی نہ تھی ۔

مشہور یہ ہے کہ اس نے مینار پر چڑھ کے کمان میں تیر جوڑا اور آسمان کی طرف پھنکا یا تو وہ تیر کسی پرندے کے لگایا پہلے سے کوئی سازش کی گئی تھی کہ تیر خون آلود واپس آیا تب فرعون وہاں سے نیچے اتر آیا اور لوگوں سے کہا : جاؤ، مطمئن رہو اور کسی قسم کی فکر نہ کرو میں نے موسیٰ کے خدا کو مار ڈالا ہے ۔

یہ بات حتمی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ سادہ لوحوں اور اندھی تقلید کرنے والوں کے ایک گروہ نے او ران لوگوں نے جن کی آنکھیں اور کان حکومت وقت کے پروپیگنڈے سے بند ہو گئے تھے، فرعون کے اس قول کا یقین کر لیا ہوگا اور ہر جگہ اس خبر کو عام کیا ہوگا اور مصر کی رعایا کو غافل رکھنے کا ایک اور سبب پیدا ہوگا ۔ مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ عمارت دیر تک قائم نہیں رہی (اور اسے رہنا بھی نہ چاہئے تھا) تباہ ہو گئی بہت سے لوگ اس کے نیچے دب کے مر گئے اس سلسلے میں اہل قلم نے اور بھی طرح طرح کی داستانیں لکھی ہیں لیکن ان کی صحت کی تحقیق نہ ہوسکی اس لئے انہیں قلم زد کر دیا گیا ہے ۔

بیدار کرنے والی سزائیں

ایک کلی قانون تمام پیغمبروں کے لئے یہ تھا کہ جب ان کو لوگوں کی مخالفت کا سامنا ہو اور وہ کسی طرح سے راہ راست پر نہ آئیں تو خدا ان کو بیدار کرنے کے لئے مشکلات ومصائب میں گرفتار کرتا تھا تاکہ وہ اپنے میں نیاز مندی اور محتاجی کا احساس کریں ، اور ان کی فطرت توحید جو آرام وآسائش کی وجہ سے غفلت کے پردوں میں چلی گئی ہے دوبارہ ابھر آئے اور ان کو اپنی ضعف و ناتوانی کا اندازہ ہو اور اس قادر و توانا ہستی کی جانب متوجہ ہوں جو ہر نعمت و نعمت کا سر چشمہ ہے ۔

قرآن میں اس مطلب کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے : ہم نے آل فرعون کو قحط، خشک سالی اور ثمرات کی کمی میں مبتلا کیا کہ شاید متوجہ اور بیدار ہوجائیں[16]

باوجود یکہ قحط سالی نے فرعونوں کو گھیر لیا تھا لیکن مذکورہ بالا بیان میں صرف فرعون کے مخصوصین کا ذکر کیا گیا ہے مقصد یہ ہے کہ اگر یہ بیدار ہو گئے تو سب لوگ بیدار ہوجائیں گے کیونکہ تمام لوگوں کی نبض انہی کے ہاتھوں میں ہے یہ چاہیں تو بقیہ افراد کو گمراہ کریں یا ہدایت کریں ۔

اس نکتہ کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ خشک سالی اہل مصر کے لئے ایک بلائے عظیم شمار ہوتی تھی کیونکہ مصر پورے طور سے ایک زرعی مملکت تھی اس بناء پر اگر زراعت نہ ہوتو اس کا اثر ملک کے تمام افراد پر پڑتا ہے لیکن مسلمہ طور پر فرعون اور اس کے افراد چونکہ ان زمینوں کے مالک اہلی تھے اس لئے فی الحقیقت وہ سب سے زیادہ اس سے متاثر ہوئے تھے ۔

ضمناً یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ خشک سالی کئی سال تک باقی رہی کیونکہ ”سنین“ جمع کا صیغہ ہے ۔ لیکن آل فرعون، بجائے اس کے کہ ان الہی تنبیہوں سے نصیحت لیتے اور خواب خرگوش سے بیدار ہوتے انہوں نے اس سے سوء استفادہ کیا اور ان حوادث کی من مانی تفسیر کی، جب حالات ان کے منشا کے مطابق ہوتے تھے تو وہ راحت وآرام میں ہوتے تھے اور کہتے کہ یہ حالات ہماری نیکی و لیاقت کی وجہ سے ہیں: ”فی الحقیقت ہم اس کے اہل و لائق ہیں ۔“

لیکن جس وقت وہ مشکل و مصیبت میں گرفتار ہوتے تھے تو اس کو فوراً موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے سر باندھ دیتے تھے ” اور کہتے تھے کہ یہ ان کی بد قدمی کی وجہ سے ہوا ہے ۔ لیکن قرآن کریم ان کے جواب میں کہتا ہے : ” ان کی بدبختیوں اور تکلیفوں کا سر چشمہ خدا کی طرف سے ہے خدا نے یہ چاہا ہے کہ اس طرح ان کو ان کے اعمال بد کی وجہ سے سزا دے لیکن ان میں سے اکثر اس کو نہیں جانتے ۔“ [17]

مختلف اور پیہم بلاؤں کا نزول

قرآن میں ان بیدار کنندہ درسوں کا ایک اور مرحلہ بیان کیا گیا ہے جو خدا نے قوم فرعون کو دیئے جب مرحلہ اول یعنی قحط، خشک سالی اور مالی نقصانات نے ان کو بیدار نہ کیا تو دوسرے مرحلہ کی نوبت پہنچی جو پہلے مرحلہ سے شدید تر تھا اس مرتبہ خدا نے ان کو پے درپے ایسی بلاؤں میں جکڑا جو ان کو اچھی طرح سے کچلنے والی تھیں مگر افسوس ان کی اب بھی آنکھیں نہ کھلیں ۔

پہلے ان بلاؤں کے نزول کے مقدمہ کے طور پر فرمایا گیا ہے : انہوں نے موسیٰ کی دعوت کے مقابلے میں اپنے عناد کو بدستور باقی رکھا اور ”کہا کہ تم ہر چند ہمارے لئے نشانیاں لاؤ اور ان کے ذریعے ہم پر اپنا جادو کرو ہم کسی طرح بھی تم پر ایمان نہیں لائیں گے“۔ [18]

لفظ ”آیت“ شاید انہوں نے ازراہ تمسخر استعمال کیا تھا ، کیونکہ حضرت موسیٰ نے اپنے معجزات کو آیات الہی قرار دیا تھا لیکن انہوں نے سحر قرار دیا۔

آیات کا لہجہ اور دیگر قرائن اس بات کے مظہر ہیں کہ فرعون کے پروپیگنڈوں کا محکمہ جو اپنے زمانے کے لحاظ سے ہر طرح کے سازو سامان سے لیس تھا وہ حضرت موسیٰ کے خلاف ہر طرف سے حرکت میں آگیا تھا اس کے نتیجے میں تمام لوگوں کا ایک ہی نعرہ تھا اور وہ یہ کہ اے موسیٰ ! تم تو ایک زبردست جادو گر ہو ، کیونکہ موسیٰ کی بات کو رد کرنے کا ان کے پاس اس سے بہتر کوئی جواب نہ تھا جس کے ذریعے لوگوں کے دلوں میں وہ گہربنانا چاہتے تھے ۔

لیکن چونکہ خدا کسی قوم پر اس وقت تک اپنا آخری عذاب نازل نہیں کرتا جب تک کہ اس پر خوب اچھی طرح سے اتمام حجت نہ کر لے اس لئے بعد والی آیت میں فرمایا گیا ہے کہ ہم نے پہلے طرح طرح کی بلائیں ان پر نازل کیں کہ شاید ان کو ہوش آجائے۔ [19]

”پہلے ہم نے ان پر طوفان بھیجا“

اس کے بعد قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

”اس کے بعد ہم نے ان کی زراعتوں اور درختوں پر ٹڈیوں کو مسلط کر دیا۔“

روایات میں وارد ہوا ہے کہ کہ اللہ نے ان پر ٹڈیاں اس کثرت سے بھیجیں کہ انہوں نے درختوں کے شاخ و برگ کا بالکل صفایا کر دیا، حتیٰ کہ ان کے بدنوں تک کو وہ اتنا آزار پہنچاتی تھیں کہ وہ تکلیف سے چیختے چلاتے تھے۔

جب بھی ان پر بلا نازل ہوتی تھی تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کرتے تھے کہ وہ خدا سے کہہ کر اس بلا کو ہٹوا دیں طوفان اور ٹڈیوں کے موقع پر بھی انہوں نے جناب موسیٰ علیہ السلام سے یہی خواہش کی ، جس کو موسیٰ علیہ السلام نے قبول کر لیا اور یہ دونوں بلائیں برطرف ہو گئیں، لیکن اس کے بعد پھر وہ اپنی ضد

پر اتر آئے جس کے نتیجے میں تیسری بلا ”قمل“ کی ان پر نازل ہوئی۔
 ”قمل“ سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں مفسرین کے درمیان گفتگو ہوئی ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ ایک قسم کی نباتی آفت تھی جو زراعت کو کھاجاتی تھی۔
 جب یہ آفت بھی ختم ہوئی اور وہ پھر بھی ایمان نہ لائے، تو اللہ نے مینڈک کی نسل کو اس قدر فروغ دیا کہ مینڈک ایک نئی بلا کی صورت میں ان کی زندگی میں اخل ہو گئے۔
 جدھر دیکھتے تھے ہر طرف چھوٹے بڑے مینڈک نظر آتے تھے یہاں تک کہ گھروں کے اندر، کمروں میں، بچھونوں میں، دسترخوان پر کھانے کے برتنوں میں مینڈک ہی مینڈک تھے، جس کی وجہ سے ان کی زندگی حرام ہو گئی تھی، لیکن پھر بھی انہوں نے حق کے سامنے اپنا سر نہ جھکایا اور ایمان نہ لائے۔

اس وقت اللہ نے ان پر خون مسلط کیا۔

بعض مفسرین نے کہا کہ خون سے مراد ”مرض نکسیر“ ہے جو ایک وبا کی صورت میں ان میں پھیل گیا، لیکن بہت سے مفسرین نے لکھا ہے کہ دریائے نیل لہو رنگ ہو گیا اتنا کہ اس کا پانی مصرف کے لائق نہ رہا۔
 آخر میں قرآن فرماتا ہے: ”ان معجزوں اور کھلی نشانیوں کو جو موسیٰ کی حقانیت پر دلالت کرتی تھیں، ہم نے ان کو دکھلایا لیکن انہوں نے ان کے مقابلہ میں تکبر سے کام لیا اور حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور وہ ایک مجرم اور رگنباگار قوم تھے۔“ [20]
 بعض روایات میں ہے کہ ان میں سے ہر ایک بلا ایک ایک سال کے لئے آتی تھی یعنی ایک سال طوفان و سیلاب، دوسرے سال ٹڈیوں کے دل، تیسرے سال نباتاتی آفت، اسی طرح آخر تک، لیکن دیگر روایات میں ہے کہ ایک آفت سے دوسری آفت تک ایک مہینہ سے زیادہ فاصلہ نہ تھا، پھر کیف اس میسک نہیں کہ ان آفتوں کے درمیان فاصلہ موجود تھا (جیسا کہ قرآن نے لفظ ”مفصلات“ سے تعبیر کیا ہے) تاکہ ان کو تفکر کے لئے کافی موقع مل جائے۔
 قابل توجہ بات یہ ہے کہ یہ بلائیں صرف فرعون اور فرعون والوں کے دامن گیر ہوتی تھیں، بنی اسرائیل اس سے محفوظ تھے، بے شک یہ اعجاز ہی تھا، لیکن اگر نکتہ ذیل پر نظر کی جائے تو ان میں سے بعض کی علمی توجیہ بھی کی جاسکتی ہے۔

ہمیں معلوم ہے کہ مصر جیسی سرسبز و شاداب اور خوبصورت سلطنت جو دریائے نیل کے کناروں پر آباد تھی اس کے بہترین حصے وہ تھے جو دریائے قریب تھے وہاں پانی بھی فراوان تھا اور زراعت بھی خوب ہوتی تھی، تجارتی کشتیاں وغیرہ بھی دستیاب تھیں، یہ خطے فرعون والوں اور قبٹیوں کے قبضے میں تھے جہاں انہوں نے اپنے قصر و باغات بنا رکھے تھے اس کے بر خلاف اسرائیلیوں کو دور دراز کے خشک اور کم آب علاقے دئے گئے تھے جہاں وہ زندگی کے یہ سخت دن گزارتے تھے کیونکہ ان کی حیثیت غلاموں جیسی تھی۔
 بنا بر این یہ ایک طبیعی امر ہے کہ جب سیلاب اور طوفان آیا تو اس کے نتیجے میں وہ آبادیاں زیادہ متاثر ہوئیں جو دریائے نیل کے دونوں کناروں پر آباد تھیں، اسی طرح مینڈک بھی پانی سے پیدا ہوتے ہیں جو قبٹیوں کے گھروں کے آس پاس بڑی مقدار میں موجود تھے، یہی حال خون کا ہے کیونکہ رود نیل کا پانی خون ہو گیا تھا، ٹڈیاں اور زرعی آفتیں بھی باغات، کھیتوں اور سرسبز علاقوں پر حملہ کرتی ہیں، لہذا ان عذابوں سے زیادہ تر

نقصان قبٹیوں ہی کا ہوتا تھا۔

جو کچھ قرآن میں ذکر ہوا ہے اس کا ذکر موجودہ توریت میں بھی ملتا ہے، لیکن کسی حد تک فرق کے ساتھ۔ [21]

بار بار کی عہد شکنیاں

قرآن میں فرعونوں کے اس رد عمل کا ذکر کیا گیا ہے جو انہوں نے پروردگار عالم کی عبرت انگیز اور بیدار کنندہ بلاؤں کے نزول کے بعد ظاہر کیا، ان تمام قرآنی گفتگو سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جس وقت وہ بلا کے چنگل میں گرفتار ہو جاتے تھے، جیسا کہ عام طور سے تباہ کاروں کا دستور ہے، وقتی طور پر خواب غفلت سے بیدار ہو جاتے تھے اور فریاد وزاری کرنے لگتے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کرتے تھے کہ خدا سے ان کی نجات کے لئے دعا کریں۔ چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے لئے دعا کرتے تھے اور وہ بلا ان کے سروں سے ٹل جاتی تھی، مگر ان کی حالت یہ تھی کہ جونہی وہ بلا سر سے ٹلتی تھی تو وہ تمام چیزوں کو بھول جاتے تھے اور وہ اپنی پھلی نا فرمانی اور سرکشی کی حالت پر پلٹ جاتے تھے۔

جس وقت ان پر بلا مسلط ہوتی تھی تو کہتے تھے: ”اے موسیٰ! ہمارے لئے اپنے خدا سے دعا کرو کہ جو عہد اس نے تم سے کیا ہے اسے پورا کرے اور تمہاری دعا ہمارے حق میں قبول کرے، اگر تم یہ بلا ہم سے دور کردو تو ہم یہ وعدہ کرتے ہیں کہ ہم خود بھی تم پر ضرور ایمان لائیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی یقیناً تمہارے ہمراہ روانہ کر دیں گے۔“ [22]

اس کے بعد ان کی پیمان شکنی کا ذکر کیا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے: ”جس وقت ہم ان پر سے بلاؤں کو تعین شدہ مدت کے بعد ہٹا دیتے تھے تو وہ اپنا وعدہ توڑ ڈالتے تھے“ [23]

نہ خود ہی ایمان لاتے تھے اور نہ ہی بنی اسرائیل کو اسیری سے آزاد کرتے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کا ایک مدت معین کرتے تھے کہ فلاں وقت یہ بلا ہر طرف ہو جائے گی تاکہ ان پر اچھی طرح کھل جائے کہ یہ بلا کوئی اتفاقی حادثہ نہ تھا بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کی وجہ سے تھا۔

موسیٰ علیہ السلام کے پاس سونے کے کنگن کیوں نہیں؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی منطق ایک طرف ان کے مختلف معجزات دوسری طرف مصر کے لوگوں پر نازل ہونیوالی بلائیں جو موسیٰ علیہ السلام کی دعا کی برکت سے ٹل جاتی تھیں تیسری طرف، ان سب اسباب نے مجموعی طور پر اس ماحول پر گہرے اثرات ڈالے اور فرعون کے بارے میں لوگوں کے افکار کو ڈانواڈول کر دیا اور انہیں پورے مذہبی اور معاشرتی نظام کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر دیا۔

اس موقع پر فرعون نے دھوکہ دھڑی کے ذریعہ موسیٰ علیہ السلام کا اثر مصری لوگوں کے ذہن سے ختم کرنے کی کوشش کی اور پست اقدار کا سہارا لیا جو اس ماحول پر حکم فرماتھا، انہیں اقدار کے ذریعہ اپنا اور موسیٰ

علیہ السلام کا موازنہ شروع کردیا تا کہ اس طرح لوگوں پر اپنی برتری کو پایہ ثبوت تک پہنچائے، جیسا کہ قرآن پاک فرماتا ہے:

”اور فرعون نے اپنے لوگوں کو پکار کر کہا: اے میری قوم! آیا مصر کی وسیع و عریض سر زمین پر میری حکومت نہیں ہے اور کیا یہ عظیم دریا میرے حکم سے نہیں بہہ رہے ہیں اور میرے محلوں، کھیتوں اور باغوں سے نہیں گررہے ہیں؟ کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟“ [24]

لیکن موسیٰ علیہ السلام کے پاس کیا ہے، کچھ بھی نہیں، ایک لاٹھی اور ایک اونی لباس اور بس، تو کیا اس کی شخصیت بڑی ہوگی یا میری؟ آیا وہ سچ بات کہتا ہے یا میں؟ اپنی آنکھیں کھولوں اور بات اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کرو۔ اس طرح فرعون نے مصنوعی اقدار کو لوگوں کے سامنے پیش کیا، بالکل ویسے ہی جیسے عصر جاہلیت کے بت پرستوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے مقابلے میں مال و مقام کو صحیح انسانی اقدار سمجھ رکھا تھا۔

لفظ ”نادی“ (پکار کر کہا) سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون نے اپنی مملکت کے مشاہیر کی ایک عظیم محفل جمائی اور بلند آواز کے ساتھ ان سب کو مخاطب کرتے ہوئے یہ جملے ادا کیے، یا حکم دیا کہ اس کی اس آواز کو ایک سرکاری حکم نامے کے ذریعے پورے ملک میں بیان کیا جائے۔

قرآن آگے چل کر فرماتا ہے کہ فرعون نے کہا: ”میں اس شخص سے برتر ہوں جو ایک پست خاندان اور طبقے سے تعلق رکھتا ہے۔ اور صاف طور پر بات بھی نہیں کرسکتا۔“ [25]

اس طرح سے اس نے اپنے لئے دو بڑے اعزازات (حکومت مصر اور نیل کی مملکت) اور موسیٰ علیہ السلام کے دو کمزور پہلو (فقر اور لکنت زبان) بیان کردیئے۔

حالانکہ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت نہ تھی۔ کیونکہ خدا نے ان کی دعا کو قبول فرمالیا تھا اور زبان کی لکنت کو دور کردیا تھا کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے مبعوث ہوتے ہی خداسے یہ دعا مانگی تھی کہ۔ ”خدا وندا میری زبان کی گرہیں کھول دے۔“ [26] اور یقیناً ان کی دعا قبول ہوئی اور قرآن بھی اس بات پر گواہ ہے۔ بے پناہ دولت، فاخرہ لباس اور چکاچوند کرتے محلات، مظلوم طبقے پر ظلم و ستم کے ذریعے حاصل ہوتے ہیں۔ ان کا مالک نہ ہونا صرف عیب کی بات ہی نہیں بلکہ باعث صداقتخار شرافت اور عزت کا سبب بھی ہے۔

”مہین“ (پست) کی تعبیر سے ممکن ہے اس دور کے اجتماعی طبقات کی طرف اشارہ ہو، کیونکہ اس دور میں بڑے بڑے سرمایہ داروں کا معاشرہ کے بلند طبقوں میں شمار ہوتا تھا اور رحمت کشوں اور کم آمدنی والے لوگوں کا پست طبقے میں، یا پھر ممکن ہے موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرف اشارہ ہو کیونکہ ان کا تعلق بنی اسرائیل سے تھا اور فرعون کی قبیلہ قوم اپنے آپ کو سردار اور آقا سمجھتی تھی۔ پھر فرعون دو اور بھانوں کا سہارا لیتے ہوئے کہتا ہے: ”اسے سونے کے کنگن کیوں نہیں دیئے اور اس کے لئے مددگار کیوں نہیں مقرر کئے تاکہ وہ اس کی تصدیق کریں؟“ اگر خدا نے اسے رسول بنایا ہے تو دوسرے رسول کی طرح طلائی کنگن کیوں نہیں دئے گئے اور اس کے لئے مدد گار کیوں نہیں مقرر کئے گئے۔

کہتے ہیں کہ فرعونی قوم کا عقیدہ تھا کہ روءاء اور سر براہوں کو ہمیشہ طلائی کنگنوں اور سونے کے ہاروں سے مزین ہونا چاہئیے اور چونکہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس اس قسم کے زیورات نہیں تھے بلکہ ان زیورات کے بجائے وہ چرواہوں والا موٹا سا اونی کرتا زیب تن کئے ہوئے تھے، لہذا ان لوگوں نے اس بات پر تعجب کا اظہار کیا اور یہی حال ان لوگوں کا ہوتا ہے جو انسانی شخصیت کے پرکھنے کا معیار سونا، چاندی اور دوسرے زیورات کو

جناب موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے اونی لباس

اس بارے میں ایک نہایت عمدہ بیان آیا ہے، امام علی بن ابی طالب علیہما السلام فرماتے ہیں: موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی (ہارون) کے ساتھ فرعون کے دربار میں پہنچے دونوں کے بدن پر اونی لباس اور ہاتھوں میں عصا تھا اس حالت میں انہوں نے شرط پیش کی کہ اگر فرمان الہی کے سامنے جھک جائے تو اس کی حکومت اور ملک باقی اور اقتدار قائم و برقرار رہے گا، لیکن فرعون نے حاضرین سے کہا: تمہیں ان کی باتوں پر تعجب نہیں ہوتا کہ میرے ساتھ شرط لگا رہے ہیں کہ میرے ملک کی بقا اور میری عزت کا دوام ان کی مرضی کے ساتھ وابستہ ہے جبکہ ان کا اپنا حال یہ ہے کہ فقر و تنگدستی ان کی حالت اور صورت سے ٹپک رہی ہے (اگر یہ سچ کہتے ہیں تو) خود انہیں طلائی کنگن کیوں نہیں دیئے گئے۔

دوسرا بہانہ وہی مشہور بہانہ ہے جو بہت سی گمراہ اور سرکش امتیں انبیاء کرام علیہم السلام کے سامنے پیش کیا کرتی تھیں، کبھی تو کہتی تھیں کہ ”وہ انسان کیوں ہے اور فرشتہ کیوں نہیں؟ اور کبھی کہتی تھی کہ اگر وہ انسان ہے تو پھر کم از کم اس کے ہمراہ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا؟“

حالانکہ انسانوں کی طرف بھیجے ہوئے رسولوں کو روح انسانی کا حامل ہونا چاہئے تا کہ وہ ان کی ضرورتوں، مشکلوں اور مسائل کو محسوس کرسکیں اور انہیں ان کا جواب دے سکیں اور عملی لحاظ سے ان کے لئے نمونہ اور اسوہ قرار پاسکیں۔

چوتھا مرحلہ انقلاب کی تیاری

حضرت موسیٰ علیہ السلام میدان مقابلہ میں فرعون پر غالب آگئے اور سرخرو اور سرفراز ہوکر میدان سے باہر آئے اگر چہ فرعون اور اس کے تمام درباری ان پر ایمان نہ لائے لیکن اس کے چند اہم نتائج ضرور برآمد ہوئے، جن میں سے ہر ایک اہم کامیابی شمار ہوتا ہے۔

۱۔ بنی اسرائیل کا اپنے رہبر اور پیشوا پر عقیدہ مزید پختہ ہو گیا اور انہیں مزید تقویت مل گئی چنانچہ ایک دل اور ایک جان ہو کر ان کے گرد جمع ہو گئے کیونکہ انہوں نے سالہا سال کی بدبختی اور دربر کی ٹھوکریں کھانے کے بعد اب اپنے اندر کسی آسمانی پیغمبر کو دیکھا تھا جو کہ ان کی ہدایت کا بھی ضامن تھا اور ان کے انقلاب، آزادی اور کامیابی کا بھی رہبر تھا۔

۲۔ موسیٰ علیہ السلام نے مصریوں اور قبطیوں تک کے درمیان ایک اہم مقام حاصل کر لیا۔ کچھ لوگ ان کی طرف مائل ہو گئے اور جو مائل نہیں ہوئے تھے وہ کم از کم کم ان کی مخالفت سے ضرور گھبراتے تھے اور جناب موسیٰ علیہ السلام کی صدائے دعوت تمام مصر میں گونجنے لگی۔

۳۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ فرعون عوامی افکار اور اپنی جان کو لاحق خطرے سے بچاؤ کے لئے اپنے اندر ایسے شخص کے ساتھ مقابلے کی طاقت کھوچکا تھا جس کے ہاتھ میں اس قسم کا عصا اور منہ میں اس طرح کی

گویا زبان تھی۔

مجموعی طور پر یہ امور موسیٰ علیہ السلام کے لئے اس حد تک زمین ہموار کرنے میں معاون ثابت ہوئے کہ مصریوں کے اندر ان کے پاؤں جم گئے اور انہوں نے کھل کر اپنا تبلیغی فریضہ انجام دیا اور اتمام حجت کی۔ قرآن میفرعونییوں کے خلاف بنی اسرائیل کے قیام اور انقلاب کا ایک اور مرحلہ بیان کیا گیا ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ خدا فرماتا ہے: ”ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کی طرف وحی کی کہ سرزمین مصر میں اپنی قوم کے لئے گھروں کا انتخاب کرو۔“ [27]

”اور خصوصیت کے ساتھ ان گھروں کو ایک دوسرے کے قریب اور آمنے سامنے بناؤ [28] پھر روحانی طور پر اپنی خود سازی اور اصلاح کرو“ اور نماز قائم کرو۔“ اس طرح سے اپنے نفس کو پاک اور قوی کرو۔ [29]

اور اس لئے کہ خوف اور وحشت کے آثار ان کے دل سے نکل جائیں اور وہ روحانی و انقلابی قوت پالیں ”مومنین کو بشارت دو“ کامیابی اور خدا کے لطف و رحمت کی بشارت۔ [30]

زیر بحث آیات کے مجموعی مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں بنی اسرائیل منتشر، شکست خوردہ، وابستہ، طفیلی، آلودہ اور خوف زدہ گروہ کی شکل میں تھے، نہ ان کے پاس گھر تھے نہ کوئی مرکز تھا، نہ ان کے پاس معنوی اصلاح کا کوئی پروگرام تھا اور نہ ہی ان میں اس قدر شجاعت، عزم اور حوصلہ تھا جو شکست دینے والے انقلاب کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ لہذا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو حکم ملا کہ وہ بنی اسرائیل کی مرکزیت کے لئے خصوصاً روحانی حوالے سے چند امور پر مشتمل پروگرام شروع کریں۔

۱۔ مکان تعمیر کریں اور اپنے مکانات فرعونییوں سے الگ بنائیں۔ اس میں متعدد فائدے تھے۔ ایک یہ کہ سرزمین مصر میں ان کے مکانات ہوں گے تو وہ اس کا دفاع زیادہ لگاؤ سے کریں گے۔ دوسرا یہ کہ قبضیوں کے گھروں میں طفیلی زندگی گزارنے کے بجائے وہ اپنی ایک مستقل زندگی شروع کرسکیں گے۔

تیسرا یہ کہ انکے معاملات اور تدابیر کے راز دشمنوں کے ہاتھ نہیں لگیں گے۔

۲۔ اپنے گھر ایک دوسرے کے آمنے سامنے اور قریب قریب بنائیں، بنی اسرائیل کی مرکزیت کے لئے یہ ایک موثر کام تھا اس طرح سے وہ اجتماعی مسائل پر مل کر غور فکر کرسکتے تھے اور مذہبیمراسم کے حوالے سے جمع ہوکر اپنی آزادی کے لئے ضروری پروگرام بنا سکتے تھے۔

۳۔ عبادت کی طرف متوجہ ہوں، خصوصاً نماز کی طرف کہ جو انسان کو بندوں کی بندگی سے جدا کرتی ہے اور اس کا تعلق تمام قدرتوں کے خالق سے قائم کردیتی ہے۔ اس کے دل اور روح کو گناہ کی آلودگی سے پاک کرتی ہے اپنے آپ پر بھروسہ کرنے کا احساس زندہ کرتی ہے اور قدرت پروردگار کا سہارا لے کر انسانی جسم میں ایک تازہ روح پھونک دیتی ہے۔

۴۔ ایک رہبر کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ بنی اسرائیل کی روحوں میں موجود طویل غلامی اور ذلت کے دور کا خوف و وحشت نکال باہر پھینکیں اور حتمی فتح و نصرت، کامیابی اور پروردگار کے لطف و کرم کی بشارت دے کر مومنین کے ارادے کو مضبوط کریں اور ان میں شہامت و شجاعت کی پرورش کریں۔

اس روش کو کئی سال گزر گئے اور اس دوران میں موسیٰ علیہ السلام نے اپنے منطقی دلائل کے ساتھ ساتھ انہیں

کئی معجزے بھی دکھائے ۔

ہم نے انہیں باہر نکال دیا

جب موسیٰ علیہ السلام ان لوگوں پر اتمام حجت کرچکے اور مومنین و منکرین کی صفیں ایک دوسرے سے جدا ہوگئیں تو موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے کوچ کرنے کا حکم دے دیا گیا، چنانچہ قرآن نے اس کی اسطرح منظر کشی کی۔

سب سے پہلے فرمایا گیا ہے: ”ہم نے موسیٰ پر وحی کی کہ راتورات میرے بندوں کو (مصر سے باہر) نکال کر لے جاؤ، کیونکہ وہ تمہارا پیچھا کرنے والے ہیں۔“ [31]

موسیٰ علیہ السلام نے اس حکم کی تعمیل کی اور دشمن کی نگاہوں سے بچ کر بنی اسرائیل کو ایک جگہ اکٹھا کرنے کے بعد کوچ کا حکم دیا اور حکم خدا کے مطابق رات کو خصوصی طور پر منتخب کیا تاکہ یہ منصوبہ صحیح صورت میں تکمیل کو پہنچے۔

لیکن ظاہر ہے کہ اتنی بڑی تعداد کی روانگی ایسی چیز نہیں تھی جو زیادہ دیر تک چھپی رہ جاتی۔ جاسوسوں نے جلد ہی اس کی رپورٹ فرعون کو دے دی اور جیسا کہ قرآن کہتا ہے: ”فرعون نے اپنے کارندے مختلف شہروں میں روانہ کردیئے تا کہ فوج جمع کریں۔“ [32]

البتہ اس زمانے کے حالات کے مطابق فرعون کا پیغام تمام شہروں میں پہنچانے کے لئے کافی وقت کی ضرورت تھی لیکن نزدیک کے شہروں میں یہ اطلاع بہت جلد پہنچ گئی اور پہلے سے تیار شدہ لشکر فوراً حرکت میں آگئے اور مقدمة الجیش اور حملہ آور لشکر کی تشکیل کی گئی اور دوسرے لشکر بھی آہستہ آہستہ ان سے آملتے رہے۔ ساتھ ہی لوگوں کے حوصلے بلند رکھنے اور نفسیاتی اثر قائم رکھنے کے لئے اس نے حکم دیا کہ اس بات کا اعلان کر دیا جائے کہ ”وہ تو ایک چھوٹا سا گروہ ہے۔“ [33] (تعداد کے لحاظ سے بھی کم اور طاقت کے لحاظ سے بھی کم)۔

لہذا اس چھوٹے سے کمزور گروہ کے مقابلے میں ہم کامیاب ہو جائیں گے گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ کیونکہ طاقت اور قوت ہمارے پاس زیادہ ہے لہذا فتح بھی ہماری ہی ہوگی۔

فرعون نے یہ بھی کہا: ”آخر ہم کس حد تک برداشت کریں اور کب تک ان سرکش غلاموں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرتے رہیں؟ انہوں نے تو ہمیں غصہ دلایا ہے۔“ [34]

آخر کل مصر کے کھیتوں کی کون آبپاشی کرے گا؟ ہمارے گھر کون بنائے گا؟ اس وسیع و عریض مملکت کا کون لوگ بوجھ اٹھائیں گے؟ اور ہماری نوکری کون کرے گا؟

اس کے علاوہ ”ہمیں ان لوگوں کی سازشوں سے خطرہ ہے (خواہ وہ یہاں رہیں یا کہیں اور چلے جائیں) اور ہم ان سے مقابلہ کے لئے مکمل طور پر آمادہ اور اچھی طرح ہوشیار ہیں۔“ [35]

پھر قرآن پاک فرعونیوں کے انجام کا ذکر کرتا ہے اور اجمالی طور پر ان کی حکومت کے زوال اور بنی اسرائیل کے اقتدار کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے: ”ہم نے انہیں سرسبز باغات اور پانی سے لبریز چشموں سے باہر نکال دیا۔“ [36] خزانوں، خوبصورت محلات اور آرام و آسائش کے مقامات سے بھی نکال دیا۔

ہاں ہاں!! ہم نے ایسا ہی کیا اور بنی اسرائیل کو بغیر کسی مشقت کے یہ سب کچھ دے دیا اور انہیں فرعون

فرعونیوں کا درناک انجام

قرآن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی داستان کا آخری حصہ پیش کیا گیا ہے کہ فرعون اور فرعون والے کیونکر غرق ہوئے اور بنی اسرائیل نے کس طرح نجات پائی؟ جیسا کہ ہم گزشتہ میں پڑھ چکے ہیں کہ فرعون نے اپنے کارندوں کو مصر کے مختلف شہروں میں بھیج دیا تاکہ وہ بڑی تعداد میں لشکر اور افرادی قوت جمع کرسکیں چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور مفسرین کی تصریح کے مطابق فرعون نے چھ لاکھ کا لشکر مقدمہ الجیش کی صورت میں بھیج دیا اور خود دس لاکھ کے لشکر کے ساتھ ان کے پیچھے پیچھے چل دیا !!۔ ساری رات بڑی تیزی کے ساتھ چلتے رہے اور طلوع آفتاب کے ساتھ ہی انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے لشکر کو پالیا، چنانچہ اس سلسلے کی پہلی آیت میں فرمایا گیا ہے : فرعونیوں نے ان کا تعاقب کیا اور طلوع آفتاب کے وقت انہیں پالیا۔

”جب دونوں گروہوں کا آمناسامنا ہوا تو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی کہنے لگے اب تو ہم فرعون والوں کے نرغے میں آگئے ہیں اور بچ نکلنے کی کوئی راہ نظر نہیں آتی۔“ [38]

ہمارے سامنے دریا اور اس کی ٹھاٹھیں مارتی موجیں ہیں، ہمارے پیچھے خونخوارمسلح لشکر کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہے لشکر بھی ایسے لوگوں کا ہے جو ہم سے سخت ناراض اور غصے سے بھرے ہوئے ہیں، جنہوں نے اپنی خونخواری کا ثبوت ایک طویل عرصے تک ہمارے معصوم بچوں کو قتل کرکے دیا ہے اور خود فرعون بھی بہت بڑا مغرور، ظالم اور خونخوار شخص ہے لہذا وہ فوراً ہمارا محاصرہ کرکے ہمیں موت کے گھاٹ اتار دیں گے یاقیدی بنا کر تشدد کے ذریعے ہمیں واپس لے جائیں گے قرائن سے بھی ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا ۔

اپنے عصا کو دریا پر ماردو

اس مقام پر بنی اسرائیل پر کرب و بے چینی کی حالت طاری ہوگئی اور ان کا ایک ایک لمحہ کرب واضطراب میں گزر نے لگا یہ لمحات ان کے لئے زبردست تلخ تھے شاید بہت سے لوگوں کا ایما ن بھی متزلزل ہوچکا تھا اور بڑی حد تک ان کے حوصلے پست ہوچکے تھے ۔

لیکن جناب موسیٰ علیہ السلام حسب سابق نہایت ہی مطمئن اور پر سکون تھے انہیں یقین تھا کہ بنی اسرائیل کی نجات اورسرکش فرعونیوں کی تباہی کے بارے میں خدا کا فیصلہ اٹل ہے اور وعدہ یقینی ہے ۔ لہذا انہوں نے مکمل اطمینان اور بھرپور اعتمادکے ساتھ بنی اسرائیل کی وحشت زدہ قوم کی طرف منہ کرکے کہا: ”ایسی کوئی بات نہیں وہ ہم پر کبھی غالب نہیں آسکیں گے کیونکہ میرا خدا میرے ساتھ ہے اور وہ بہت جلدی مجھے ہدایت کرے گا۔“ [39]

اسی موقع پر شاید بعض لوگوں نے موسیٰ کی باتوں کو سن تو لیا لیکن انہیں پھر بھی یقین نہیں آ رہا تھا اور وہ اسی طرح زندگی کے آخری لمحات کے انتظار میں تھے کہ خدا کا آخری حکم صادر ہوا، قرآن کہتا ہے : ”ہم نے

فوراً موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ اپنے عصا کو دریا پر مارو۔ [40]

وہی عصاجو ایک دن تو ڈرانے کی علامت تھا اور آج رحمت اور نجات کی نشانی ۔

موسیٰ علیہ السلام نے تعمیل حکم کی اور عصا فوراً دریا پر دے مارا تو اچانک ایک عجیب و غریب منظر دیکھنے میں آیا جس سے بنی اسرائیل کی آنکھیں چمک اٹھیں اور ان کے دلوں میں مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی، ناگہانی طور پر دریا پھٹ گیا، پانی کے کئی ٹکڑے بن گئے اور ہر ٹکڑا ایک عظیم پہاڑ کی مانند بن گیا اور ان کے درمیان میں راستے بن گئے۔ [41]

بہر حال جس کا فرمان ہر چیز پر جاری اور نافذ ہے اگر پانی میں طغیانی آتی ہے تو اس کے حکم سے اور اگر طوفانوں میں حرکت آتی ہے تو اس کے امر سے ، وہ خدا کہ :

نقش ہستی نقشی از ایوان اوست

آب و باد و خاک سرگردان اوست

اسی نے دریا کی موجوں کو حکم دیا امواج دریا نے اس حکم کو فوراً قبول کیا ایک دوسرے پر جمع پرہو گئیں اور ان کے درمیان کئی راستے بن گئے اور بنی اسرائیل کے ہر گروہ نے ایک ایک راستہ اختیار کر لیا ۔

فرعون اور اس کے ساتھی یہ منظر دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے، اس قدر واضح اور آشکار معجزہ دیکھنے کے باوجود تکبر اور غرور کی سواری سے نہیں اترے، انہوں نے موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا تعاقب جاری رکھا اور اپنے آخری انجام کی طرف آگے بڑھتے رہے جیسا کہ قرآن فرماتا ہے : ”اور وہاں پر دوسرے لوگوں کو بھی ہم نے نزدیک کر دیا۔“

اس طرح فرعون لشر دریاں راستوں پر چل پڑے اور وہ لوگ اپنے ان پرانے غلاموں کے پیچھے دوڑتے رہے جنہوں نے اب اس غلامی کی زنجیریں توڑ دی تھیں لیکن انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ ان کی زندگی کے آخری لمحات ہیں اور ابھی عذاب کا حکم جاری ہونے والا ہے ۔

قرآن کہتا ہے : ”ہم نے موسیٰ اور ان تمام لوگوں کو نجات دی جو ان کے ساتھ تھے۔“ [42]

ٹھیک اس وقت جبکہ بنی اسرائیل کا آخری فرد دریا سے نکل رہا تھا اور فرعون لشر کا آخری فرد اس میں داخل ہو رہا تھا ہم نے پانی کو حکم دیا کہ اپنی پہلی حالت پر لوٹ آ، اچانک موجیں ٹھاٹھیں مارنے لگیں اور فرعون اور اس کے لشکر کو گھاس پھونس اور تنکوں کی طرح بھاگلے گئیں اور صفحہ ہستی سے ان کا نام و نشان تک مٹا دیا ۔

قرآن نے ایک مختصر سی عبارت کے ساتھ یہ ماجرا بیان کیا ہے : پھر ہم نے دوسروں کو غرق کر دیا۔“ [43]

اے فرعون تیرا بدن لوگوں کے لئے عبرتناک ہوگا

بہر کیف یہ معاملہ چل رہا تھا ”یہاں تک کہ فرعون غرقاب ہونے لگا اور وہ عظیم دریائے نیل کی موجوں میں تنکے کی طرح غوطے کھانے لگا تو اس وقت غرور و تکبر اور جہالت و بے خبری کے پردے اس کی آنکھوں سے ہٹ گئے اور فطری نور توحید چمکنے لگا وہ پکاراٹھا : ”میں ایمان لے آیا کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں۔“ [44]

کہنے لگا کہ نہ صرف میں اپنے دل سے ایمان لایا ہوں بلکہ عملی طور پر بھی ایسے توانا پروردگار کے سامنے

سرتسلیم خم کرتا ہوں۔“ [45]

درحقیقت جب حضرت موسیٰ کی پیشین گوئیاں یکے بعد دیگرے وقوع پذیر ہوئیں اور فرعون اس عظیم پیغمبر کی گفتگو کی صداقت سے آگاہ ہوا اور اس کی قدرت نمائی کامشاہدہ کیا تو اس نے مجبوراً اظہار ایمان کیا، اسے امید تھی کہ جیسے ”بنی اسرائیل کے خدا“ نے انہیں کوہ پیکر موجوں سے سے نجات بخشی ہے اسے بھی نجات دے گا، لہذا وہ کہنے لگامیں اسی بنی اسرائیل کے خدا پر ایمان لایا ہوں، لیکن ظاہر ہے کہ ایسا ایمان جو نزول بلا اور موت کے چنگل میں گرفتار ہونے کے وقت ظاہر کیا جائے، درحقیقت ایک قسم کا اضطراری ایمان ہے، جس کا اظہار سب مجرم اور گناہگار کرتے ہیں، ایسے ایمان کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی، اور نہ یہ حسن نیت اور صدق گفتار کی دلیل ہوسکتا ہے۔

اسی بنا پر خداوندعالم نے اسے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ”تو اب ایمان لایا ہے حالانکہ اس سے پہلے تو نافرمانی اورطغیان کرنے والوں ، مفسدین فی الارض اور تباہ کاروں کی صف میں تھا۔“ [46]

”لیکن آج ہم تیرے بدن کو موجوں سے بچالیں گے تاکہ تو آنے والوں کے لئے درس عبرت ہو، برسراقتدار مستکبرین کے لئے، تمام ظالموں اور مفسدوں کے لئے اور مستضعف گروہوں کے لئے بھی“

یہ کہ ”بدن سے مراد یہاں کیا ہے ،اس سلسلے میں مفسرین میاختلاف ہے ان میں سے اکثر کا نظریہ ہے کہ اس سے مراد فرعون کا بے جان جسم ہے کیونکہ اس ماحول کے لوگوں کے ذہن میں فرعون کی اس قدر عظمت تھی کہ اگر اس کے بدن کو پانی سے باہرنہ اچھالاجاتاتو بہت سے لوگ یقین ہی نہ کرتے کہ اس کا غرق ہونا بھی ممکن ہے اور ہوسکتا تھا کہ اس ماجرے کے بعد فرعون کی زندگی کے بارے میں افسانے تراش لئے جاتے ۔

یہ امر جاذب توجہ ہے کہ لغت میں لفظ ” بدن“ جیسا کہ راغب نے مفردات میں کہا ہے ” جسد عظیم“ کے معنی میں ہے اس سے معلوم ہوتاہے کہ بہت سے خوشحال لوگوں کی طرح کہ جنکی بڑی زرق برق افسانوی زندگی تھی وہ بڑا سخت اور چاک وچوبند تھا مگر بعض دوسرے افراد نے کہاہے کہ ”بدن“ کا ایک معنی ” زرہ“ بھی ہے یہ اس طرف اشارہ ہے کہ خدا نے فرعون کو اس زریں زرہ سمیت پانی سے باہر نکالاکہ جو اس کے بدن پر تھی تاکہ اس کے ذریعے پہچاناجائے اور کسی قسم کا شک وشبہ باقی نہ رہے ۔

اب بھی مصر اور برطانیہ کے عجائب گھروں میں فرعونیوں کے مومیائی بدن موجود ہیں کیا ان میحضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہم عصر فرعون کا بدن بھی ہے کہ جسے بعد میں حفاظت کے لئے مومیالیا گیا ہویا نہیں؟ اس سلسلے میں کوئی صحیح دلیل ہمارے پاس نہیں ہے ۔

بنی اسرائیل کی گذرگاہ

قرآن مجید میں بارہا اس بات کو دھرایا گیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے خدا کے حکم سے بنی اسرائیل کو ”بحر“ عبور کروایا اورچند مقامات پر ”یم“ کا لفظ بھی آیا ہے ۔

اب سوال یہ ہے کہ یہاں پر ”یم“ ”بحر“ اور ” یم“ سے کیا مراد ہے آیایہ نیل (NILE RIYER) جیسے وسیع وعریض دریا کی طرف اشارہ ہے کہ سرزمین مصر کی تمام آبادی جس سے سیراب ہوتی تھی یا بحیرہ احمریعنی بحر قلزم (RID SEA) کی طرف اشارہ ہے ۔

موجودہ تو ریت اور بعض مفسرین کے انداز گفتگو سے معلوم ہوتاہے کہ بحیرہ احمر کی طرف اشارہ ہے لیکن

ایسے قرائن موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد نیل کا عظیم و وسیع دریا ہے ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بت سازی کی فرمائش

قرآن میں بنی اسرائیل کی سرگزشت کے ایک اور اہم حصہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یہ واقعہ فرعونوں پر ان کی فتحیابی کے بعد ہوا، اس واقعہ سے بت پرستی کی جانب ان کی توجہ ظاہر ہوتی ہے ۔
واقعہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے جھگڑے سے نکل چکے تو ایک اور داخلی مصیبت شروع ہوگئی جو بنی اسرائیل کے جاہل ، سرکش اور فرعون اور فرعونوں کے ساتھ جنگ کرنے سے بدرجہا سخت اور سنگین تر تھی اور ہر داخلی کشمکش کا یہی حال ہوا کرتا ہے ۔ قرآن میفرمایا گیا ہے: ” ہم نے بنی اسرائیل کو دریا (نیل) کے اس پار لگا دیا :“

لیکن ” انہوں نے راستے میں ایک قوم کو دیکھا جو اپنے بتوں کے گرد خضوع اور انکساری کے ساتھ اکٹھا تھے“ [47] امت موسیٰ علیہ السلام کے جاہل افراد یہ منظر دیکھ کر اس قدر متاثر ہوئے کہ فوراً حضرت موسیٰ کے پاس آئے اور ” وہ کہنے لگے اے موسیٰ! ہمارے واسطے بھی بالکل ویسا ہی معبود بنادو جیسا معبود ان لوگوں کا ہے۔“ [48] حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کی اس جاہلانہ اور احمقانہ فرمائش سے بہت ناراض ہوئے ، آپ نے ان لوگوں سے کہا: ”تم لوگ جاہل وبے خبر قوم ہو۔“ [49]

بنی اسرائیل میں ناشکر گزار افراد کی کثرت تھی، باوجودیکہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اتنے معجزے دیکھے، قدرت کے اتنے انعامات ان پر ہوئے، ان کا دشمن فرعون نابود ہوا ابھی کچھ عرصہ بھی نہیں گزرا تھا، وہ غرق کردیا گیا اور وہ سلامتی کے ساتھ دریا کو عبور کرگئے لیکن انہوں نے ان تمام باتوں کو یکسر بھلادیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بت سازی کا سوال کر بیٹھے۔

ایک یہودی کو حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کا جواب

نہج البلاغہ میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک یہودی نے حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کے سامنے مسلمانوں پر اعتراض کیا:

”ابھی تمہارے نبی دفن بھی نہ ہونے پائے تھے کہ تم لوگوں نے اختلاف کردیا ۔“

حضرت علی علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا :

ہم نے ان فرامین واقوال کے بارے میں اختلاف کیا ہے جو پیغمبر سے ہم تک پہنچے ہیں، پیغمبریا ان کی نبوت سے متعلق ہم نے کوئی اختلاف نہیں کیا (چہ جائیکہ الوہیت کے متعلق ہم نے کوئی بات کہی ہو) لیکن تم (یہودی) ابھی تمہارے پیر دریا کے پانی سے خشک نہیں ہونے پائے تھے کہ تم نے اپنے نبی (حضرت موسیٰ علیہ السلام) سے یہ کہہ دیا کہ ہمارے لئے ایک ایسا ہی معبود بنادو جس طرح کہ ان کے متعدد معبود ہیں، اور اس نبی نے تمہارے جواب میں تم سے کہا تھا کہ تم ایک ایسا گروہ ہو جو جہل کے دریا میں غوطہ زن ہے ۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بات کی تکمیل کے لئے بنی اسرائیل سے کہا: ”اس بت پرست گروہ کو جو تم

دیکھ رہے ہو ان کا انجام ہلاکت ہے اور ان کا ہر کام باطل وبے بنیاد ہے۔“ [50]

اس کے بعد مزید تاکید کے لئے فرمایا گیا ہے : ”آیا خدائے برحق کے علاوہ تمہارے لئے کوئی دوسرا معبود بنالوں، وہی خدا جس نے اہل جہان (ہمعصر لوگوں) پر تم کو فضیلت دی۔“ [51]

اس کے بعد خداوند کریم اپنی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت کا ذکر فرماتا ہے جو اس نے بنی اسرائیل کو عطا فرمائی تھی تاکہ اس عظیم نعمت کا تصور کر کے ان میں شکر گزاراری کا جذبہ بیدار ہواور انہیں یہ احساس ہو کہ پرستش اور سجدے کا مستحق صرف خدائے یکتا و یگانہ ہے، اور اس بت کی کوئی دلیل نہیں پائی جاتی کہ جو بت بے نفع اور بے ضرر ہیں ان کے سامنے سر تعظیم جھکایا جائے۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے : ”یاد کرو اس وقت کو جب کہ ہم نے تمہیں فرعون کے گروہ کے شر سے نجات دیدی، وہ لوگ تم کو مسلسل عذاب دیتے چلے آ رہے تھے۔“ [52]

اس کے بعد اس عذاب و ایذا رسانی کی تفصیل یوں بیان فرماتا ہے: وہ تمہارے بیٹوں کو تو قتل کر دیتے تھے اور تمہاری عورتوں لڑکیوں کو (خدمت اور کنیزی کے لئے) زندہ چھوڑ دیتے تھے۔“ [53]

بنی اسرائیل سر زمین مقدس کی طرف

قرآن میں اس کے بعد سرزمین مقدس میں بنی اسرائیل کے ورود کے بارے میں یوں بیان کیا گیا ہے: ”موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ تم سرزمین مقدس میں جسے خدا نے تمہارے لئے مقرر کیا ہے۔ داخل ہوجاؤ، اس سلسلے میں مشکلات سے نہ ڈرو، فدا کاری سے منہ نہ موڑو اور اگر تم نے اس حکم سے پیٹھ پھیری تو خسارے میں رہو گے۔“ [54]

ارض مقدسہ سے کیا مراد ہے اس، اس سلسلے میں مفسرین نے بہت کچھ کہا ہے، بعض بیت المقدس کہتے ہیں کچھ اردن یا فلسطین کانام لیتے ہیں اور بعض سرزمین طور سمجھتے ہیں، لیکن بعید نہیں کہ اس سے مراد منطقہ شامات ہو، جس میں تمام مذکورہ علاقے شامل ہیں۔

کیونکہ تاریخ شاہد ہے کہ یہ سارا علاقہ انبیاء الہی کا گہوارہ، عظیم ادیان کے ظہور کی زمین اور طول تاریخ میں توحید، خدا پرستی اور تعلیمات انبیاء کی نشرو اشاعت کا مرکز رہا ہے۔

لہذا اسے سرزمین مقدس کہا گیا ہے اگرچہ بعض اوقات خاص بیت المقدس کو بھی ارض مقدس کہا جاتا ہے۔ بنی اسرائیل نے اس حکم پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہی جواب دیا جو ایسے موقع پر کمزور، بزدل اور جاہل لوگ دیا کرتے ہیں۔

ایسے لوگ چاہتے ہیں کہ تمام کامیابیاں انہیں اتفاقاً اور معجزانہ طور پر ہی حاصل ہوجائیں یعنی لقمہ بھی کوئی اٹھا کر ان کے منہ میں ڈال دے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے : ”آپ جانتے ہیں کہ اس علاقے میں ایک جابر اور جنگجو گروہ رہتا ہے جب تک وہ اسے خالی کر کے باہر نہ چلا جائے ہم تو اس علاقے میں قدم تک نہیں رکھیں گے اسی صورت میں ہم آپ کی اطاعت کریں گے اور سرزمین مقدس میں داخل ہوں گے۔“ [55]

بنی اسرائیل کا یہ جواب اچھی طرح نشاندہی کرتا ہے کہ طویل فرعونی استعمار نے ان کی نسلوں پر کیسا اثر چھوڑا تھا لفظ ”لن“ ”جود ائمی پر دلالت کرتا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگ سرزمین مقدس کی آزادی کے لئے مقابلے سے کس قدر خوف زدہ تھے۔

چاہئے تو یہ تھا کہ بنی اسرائیل سعی و کوشش کرتے، جہاد و قربانی کے جذبے سے کام اور سرزمین مقدس پر قبضہ کر لیتے اگر فرض کریں کہ سنت الہی کے برخلاف بغیر کسی اقدام کے ان کے تمام دشمن معجزانہ طور پر نابود ہو جاتے اور بغیر کوئی تکلیف اٹھائے وہ وسیع علاقے کے وارث بن جاتے تو اس کا نظام چلانے اور اس کی حفاظت میں بھی ناکام رہتے بغیر زحمت سے حاصل کی ہوئی چیز کی حفاظت سے انہیں کیا سروکار ہوسکتا تھا نہ وہ اس کے لئے تیار ہوتے اور نہ اہل ۔

جیسا کہ تواریخ سے ظاہر ہوتا ہے آیت میں قوم جبار سے مراد قوم ”عمالقہ“ ہے یہ لوگ سخت جان اور بلند قامت تھے یہاں تک کہ ان کی بلند قامت کے بارے میں بہت مبالغے ہوئے اور افسانے تراشے گئے اس سلسلے میں مضحکہ خیز باتیں گھڑی گئیں جن کے لئے کوئی عملی دلیل نہیں ہے۔ [56]

اس کے بعد قرآن کہتا ہے: ”اس وقت اہل ایمان میں سے دوافراد ایسے تھے جن کے دل میں خوف خدا تھا اور اس بنا پر انہیں عظیم نعمتیں میسر تھیں ان میں استقامت و شجاعت بھی تھی، وہ دور اندیش بھی تھے اور اجتماعی اور فوجی نقطہ نظر سے بھی بصیرت رکھتے تھے انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دفاعی تجویز کی حمایت کی اور بنی اسرائیل سے کہنے لگے: تم شہر کے دروازے سے داخل ہوجاؤ اور اگر تم داخل ہو گئے تو کامیاب ہوجاؤ گے۔“

لیکن ہر صورت میں تمہیں روح ایمان سے مدد حاصل کرنا چاہئے اور خدا پر بھروسہ کرو تاکہ اس مقصد کو پالو۔“ [57]

اس بارے میں کہ یہ دو آدمی کون تھے؟ اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ ”یوشع بن نون“ اور ”کالب بن یوفنا“ (”یفنہ“ بھی لکھتے ہیں) تھے جو بنی اسرائیل کے نقیبوں میں سے تھے۔

جب کامیاب ہو جاؤ تو ہمیں بھی خبر کرنا

بنی اسرائیل نے یہ تجویز قبول نہ کی اور ضعف و کمزوری جوان کی روح پر قبضہ کر چکی تھی، کے باعث انہوں نے صراحت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: ”جب تک وہ لوگ اس سرزمین میں ہیں ہم ہرگز داخل نہیں ہوں گے، تم اور تمہارا پروردگار جس نے تم سے کامیابی کا وعدہ کیا ہے، جاؤ اور عمالقہ سے جنگ کرو اور جب کامیاب ہوجاؤ تو ہمیں بتادینا ہم یہیں بیٹھے ہیں۔“ [58]

بنی اسرائیل نے اپنے پیغمبر کے ساتھ جسارت کی انتہا کر دی تھی، کیونکہ پہلے تو انہوں نے لفظ ”ن“ اور ”ابدأ“ استعمال کر کے اپنی صریح مخالفت کا اظہار کیا اور پھر یہ کہا کہ تم اور تمہارا پروردگار جاؤ اور جنگ کرو، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں، انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے وعدوں کی، تحقیر کی یہاں تک کہ خدا کے ان دوبندوں کی تجویز کی بھی پرواہ نہیں کی اور شاید انہیں تو کوئی مختصر سا جواب تک نہیں دیا۔

یہ امر قابل توجہ ہے کہ موجودہ توریت سفر اعداد باب ۱۴ میں بھی اس داستان کے بعض اہم حصے موجود ہیں ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام ان لوگوں سے بالکل مایوس ہو گئے اور انہوں نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے اور ان سے علیحدگی کے لئے یوں تقاضا کیا: ”پروردگار میرا تو صرف اپنے آپ پر اور اپنے بھائی پر بس چلتا ہے: خدایا! ہمارے اور اس فاسق و سرکش گروہ میں جدائی ڈال دے۔“ [59]

بنی اسرائیل بیابان میں سرگرداں

آخر کار حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی اور بنی اسرائیل اپنے ان برے اعمال کے انجام سے دوچار ہوئے خدا کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی ہوئی: ”یہ لوگ اس مقدس سرزمین سے چالیس سال تک محروم رہیں گے جو طرح طرح کی مادی اور روحانی نعمات سے مالا مال ہے۔“ [60]

علاوہ ازیں ان چالیس سالوں میں انہیں اس بیابان میں سرگرداں رہنا ہوگا اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا گیا ہے: ”اس قوم کے سرپر جو کچھ بھی آئے وہ صحیح ہے، ان کے اس انجام پر کبھی غمگین نہ ہونا۔“ [61]

آخری جملہ شاید اس لئے ہو کہ جب بنی اسرائیل کے لئے یہ فرمان صادر ہوا کہ وہ چالیس سال تک سزا کے طور پر بیابان میں سرگرداں رہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں جذبہ مہربانی پیدا ہوا ہو اور شاید انہوں نے درگاہ خداوندی میں ان کے لئے عفو و درگزر کی درخواست بھی کی ہو جیسا کہ موجودہ توریت میں بھی ہے۔ لیکن انہیں فوراً جواب دیا گیا کہ وہ اس سزا کے مستحق ہیں نہ کہ عفو و درگزر کے، کیونکہ جیسا کہ قرآن میں ہے کہ وہ فاسق اور سرکش لوگ تھے اور جو ایسے ہوں ان کے لئے یہ انجام حتمی ہے۔

توجہ رہے کہ ان کے لئے چالیس سال کی یہ محرومیت انتقامی جذبے سے نہ تھی (جیسا کہ خدا کی طرف سے کوئی سزا بھی ایسی نہیں ہوتی بلکہ وہ یا اصلاح کے لئے ہوتی ہے اور یا عمل کا نتیجہ) درحقیقت اس کا ایک فلسفہ تھا اور وہ یہ کہ بنی اسرائیل ایک طویل عرصے تک فرعون کی استعمار کی ضربیں جھیل چکے تھے، اس عرصے میں حقارت آمیز رسومات، اپنے مقام کی عدم شناخت اور احساسات ذلت کا شکار ہو چکے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے عظیم رہبر کی سرپرستی میں اس تھوڑے سے عرصے میں اپنی روح کو ان خامیوں سے پاک نہیں کرسکے تھے اور وہ ایک ہی جست میں افتخار، قدرت اور سربلندی کی نئی زندگی کے لئے تیار نہیں ہو پائے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں مقدس سرزمین کے حصول کے لئے جہاد آزادی کا جو حکم دیا تھا اس پر عمل نہ کرنے کے لئے انہوں نے جو کچھ کہا وہ اس حقیقت کی واضح دلیل ہے لہذا ضروری تھا کہ وہ ایک طویل مدت وسیع بیابانوں میں سرگرداں رہیں اور اس طرح ان کی ناتواں اور غلامانہ ذہنیت کی حامل موجودہ کمزور نسل آہستہ آہستہ ختم ہو جائے اور نئی نسل حریت و آزادی کے ماحول میں اور خدائی تعلیمات کی آغوش میں پروان چڑھے تاکہ وہ اس قسم کے جہاد کے لئے اقدام کرسکے اور اس طرح سے اس سرزمین پر حق کی حکمرانی قائم ہو سکے۔

[1] سورہ مومن آیت ۲۶۔

[2] سورہ مومن آیت ۲۶۔

[3] سورہ مومن آیت ۲۷۔

[4] سورہ مومن آیت ۲۸۔

[5] سورہ مومن آیت ۲۸۔

[6] سورہ مومن ۲۸۔

- [7] سورہ مومن آیت ۲۸۔
- [8] سورہ مومن آیت ۲۹۔
- [9] سورہ مومن آیت ۲۹۔
- [10] سورہ مومن آیت ۳۱۔
- [11] سورہ مومن آیت ۳۱۔
- [12] سورہ مومن آیت ۳۱۔
- [13] سورہ مومن آیت ۳۲۔
- [14] سورہ مومن آیت ۴۵۔
- [15] سورہ مومن آیت ۳۷۔
- [16] سورہ اعراف ۱۳۰۔
- [17] سورہ اعراف ۱۳۱۔
- [18] سورہ اعراف آیت ۱۳۲۔
- [19] سورہ اعراف کی آیت ۱۳۳ میں ان بلاؤں کا نام لیا گیا ہے ۔
- [20] سورہ اعراف آیت ۱۳۳۔
- [21] ملاحظہ ہو سفر خروج فصل ہفتم تا دہم توریت۔
- [22] اعراف آیت ۱۳۴۔
- [23] سورہ اعراف آیت ۱۳۵۔
- [24] سورہ زخرف آیت ۵۱۔
- [25] سورہ زخرف آیت ۵۲۔
- [26] سورہ طہ آیت ۲۷۔
- [27] سورہ یونس آیت ۸۷۔
- [28] سورہ یونس آیت ۸۷۔
- [29] سورہ یونس آیت ۸۷۔
- [30] سورہ یونس آیت ۸۷۔
- [31] سورہ شعراء آیت ۵۲۔
- [32] سورہ شعراء آیت ۵۳۔
- [33] سورہ شعراء آیت ۵۴۔
- [34] سورہ شعراء آیت ۵۵۔
- [35] سورہ شعراء آیت ۵۶۔
- [36] سورہ شعراء آیت ۵۷ تا ۵۹۔
- [37] سورہ شعراء آیت ۵۹۔

آیا بنی اسرائیل نے مصر میں حکومت کی ہے؟

خداوند عالم قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کو فرعون والوں کا وارث بنایا۔ اسی تعبیر کی بناء پر بعض مفسرین کی یہ رائے ہے کہ بنی اسرائیل کے افراد مصر کی طرف واپس لوٹ آئے اور زمام حکومت و

اقتدار اپنے قبضے میں لے کر مدتوں وہاں حکومت کرتے رہے۔

آیات بالا کا ظاہری مفہوم بھی اسی تفسیر سے مناسبت رکھتا ہے۔

جبکہ بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ وہ لوگ فرعونوں کی ہلاکت کے بعد مقدس سرزمینوں کی طرف چلے

گئے البتہ کچھ عرصے کے بعد مصر واپس آگئے اور وہاں پر اپنی حکومت تشکیل دی۔

تفسیر کے اسی حصے کے ساتھ موجودہ توریت کی فصول بھی مطابقت رکھتی ہیں۔

بعض دوسرے مفسرین کا خیال ہے کہ بنی اسرائیل دوحصوں میں بٹ گئے۔ ایک گروہ مصر میں رہ گیا اور وہیں

پر حکومت کی اور ایک گروہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ سر زمین مقدس کی طرف روانہ ہو گیا۔

یہ احتمال بھی ذکر کیا گیا ہے کہ بنی اسرائیل کے وارث ہونے سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ

السلام کے بعد اور جناب حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں مصر کی وسیع و عریض سر زمین پر

حکومت کی۔

لیکن اگر اس بات پر غور کیا جائے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام چونکہ انقلابی پیغمبر تھے لہذا یہ بات بالکل

بعید نظر آتی ہے کہ وہ ایسی سر زمین کو کلی طور پر خیر باد کہہ کر چلے جائیں جس کی حکومت مکمل طور

پر انہیں کے قبضہ اور اختیار میں آچکی ہو اور وہ وہاں کے بارے میں کسی قسم کا فیصلہ کئے بغیر بیابانوں کی

طرف چل دیں خصوصاً جب کہ لاکھوں بنی اسرائیلی عرصہ دراز سے وہاں پر مقیم بھی تھے اور وہاں کے ماحول

سے اچھی طرح واقف بھی تھے۔

بنابریں یہ کیفیت دوحال سے خالی نہیں یا تو تمام بنی اسرائیلی مصر میں واپس لوٹ آئے اور حکومت تشکیل

دی، یا کچھ لوگ جناب موسیٰ علیہ السلام کے حکم کے مطابق وہیں رہ گئے تھے اور حکومت چلاتے رہے اس کے

علاوہ فرعون اور فرعون والوں کے باہر نکال دینے اور بنی اسرائیل کو ان کا وارث بنادینے کا اور کوئی واضح مفہوم

نہیں ہوگا۔

[38] سورہ شعراء آیت ۶۱۔

[39] سورہ شعراء آیت ۶۲۔

[40] سورہ شعراء آیت ۶۳۔

[41] سورہ شعراء آیت ۶۴۔

[42] سورہ شعراء آیت ۶۵۔

[43] سورہ شعراء آیت ۶۶۔

[44] سورہ یونس آیت ۹۰۔

[45] سورہ یونس آیت ۹۰۔

[46] سورہ یونس آیت ۹۰۔

[47] سورہ اعراف آیت ۱۳۸۔

[48] سورہ اعراف آیت ۱۳۸۔

[49] سورہ اعراف ۱۳۸۔

[50] سورہ اعراف آیت ۱۳۹۔

[51] سورہ اعراف ۱۴۰۔

[52] سورہ اعراف آیت ۱۴۱۔

[53] سورہ اعراف آیت ۱۴۱۔

[54] سورہ مائدہ آیت ۲۱۔

[55] سورہ مائدہ آیت ۷۷-۲۲

[56] خصوصاً ”عوج“ کے بارے میں خرافات سے معمور ایسی کہانیاں تاریخوں میں ملتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے افسانے جن میں سے بعض اسلامی کتب میں بھی آگئے ہیں، دراصل بنی اسرائیل کے گھڑے ہوئے ہیں انہیں عام طور پر ”اسرائیلیات“ کہا جاتا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ خود موجودہ توریت کے متن میں ایسے افسانے دکھائی دیتے ہیں ۔

[57] سورہ مائدہ آیت ۲۳۔

[58] سورہ مائدہ آیت ۲۴۔

[59] سورہ مائدہ آیت ۲۵۔

[60] سورہ مائدہ آیت ۲۶۔

[61] سورہ مائدہ آیت۔